سرائیکی ناول نگاری میں تانیثیت

ڈاکٹر سید صفدر حسین/ زاہدہ ظہور

ABSTRACT:

Feminism is the reaction of social acts. It reflects the injustice with female in the society and literature is the reflection of the society. Feminism is a movement to safeguard and protect the women rights. It is a reaction against a male dominant society. In Sumerian, Egyptian and even in Greek civilization women were humiliated and were not considered even a human being. The Greeks use the term of "Pandora" for woman. In Saraiki Novels, the woman is mistreated in the society. Woman has to face all kinds of difficulties. In Saraiki culture woman is romanticized as to be faithful, committed, symbol of sacrifice, hardworking and caring, but never been given an appropriate place in the society as desired in Islam. She became the victim of sexual harassment. Male domination is the visible part in Saraiki Novels.

تانیثیت کے لغوی معانی کو 'فرہنگ آصفیہ' میں 'مولوی سید احمد دہلوی' اس طرح بیان کرتے ہیں ۔

''تانی، اسم مونث ہے اور تانیثیت سے مراد مونث ہونا، استری ضد ہے 'نر' کی (۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی' Feminism کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

''Femineity سے مراد عورت پن، زنانہ پن، نسائیت، نسوانیت ہے''۔

Feminine سے مراد عورت یا صنف نازک سے متعلق وہ لفظ جو حالت تانیث کو ظاہر کرے''۔(۲)

تانیثیت کے لیے انگریزی کا لفظ (Feminism) استعمال کیا جاتا ہے جس سے مراد تحریک نسواں ہے ۔ ویسے تو مختلف لوگوں نے اسکی مختلف اصطلاحات گنوائی ہیں لیکن اس بات پر تمام متفق ہیں کہ یہ نسوانیت کے متعلق ہی

موضوع ہے۔ 'مریلین فرنچ' Feminism کی تعریف ان الفاظ میں کرتی ہیں:

''زنانہ پس منظر میں خواتین کے اتحاد کے ذریعے کسی بھی گروپ کی عورتوں کے حالات بہتر بنانے کا نام تحریک نسواں یا Feminism ہے۔'' (۳)

Feminism معاشرتی عمل کا ردعمل تھا۔ معاشرے نے عورت کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا جس کی وجہ سے عورت اپنے حقوق کی پاس داری کے لیے آواز بلند کرنے پر مجبور ہوگئی اور نتیجے کے طور پر تحریک نسواں وجود میں آئی۔ تحریک نسواں کی ابتداء آہستہ آہستہ ہوئی۔ یہ وہ جذبات تھے دلوں میں پنپتے رہے اور آہستہ آہستہ شدت اختیار کرتے گئے۔ ۱۷۸۳ء میں 'میری وولسٹون کرافٹ' نے Thoughts on the Education of Daughters لکھی۔ یہ بنیادی طور پر بیٹیوں کی تعلیم کی حمایت میں لکھی گئی لیکن اس میں Feminism کے اثرات موجود تھے۔

تحریک نسواں کی ابتدائی خواتین میں سب پہلے جو نام سامنے آتا ہے وہ 'میری وولسٹون کرافٹ' کا ہے۔ تحریک نسواں کی بنیاد ڈالنے والی اس عورت نے (Vindication of the Rights of Women) لکھ کر تحریک نسواں کا نعرہ لگانے والی خواتین کو ابتدائی دستاویز فراہم کی۔ تحریک نسواں کی کارکنوں کی لسٹ میں اور بہت سی خواتین کے نام سامنے آتے ہیں جیسا کہ سوسی بی انتھونی، ایلزبتھ کیڈی سٹینٹن، فرانسیس پرکنز، سیمون دی بووا، سوجورنر ٹرتھ، اینجلینا گرمکے، سارہ گرمکے، بیٹی فرائیدان، کیری چَیپ مَین، ایمیلائن پنک ہرسٹ اور بہت سے نام شامل ہیں۔ (۴)

'فرانس' کو Feminism کا ابتدائی مرکز کہا جاتا ہے۔ یہ تحریک یہاں کئی عرصہ تک چلتی رہی لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی جب کہ اس کے مقابلے میں امریکہ میں تحریک نسواں نے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ فرانس کی ایک خاتون 'سائمون ڈی بوائر' نے جو کہ ژاں پال سارتر کی دوست تھی Second sex (سیکنڈ سیکس) کے نام سے حقوق نسواں پہ کتاب لکھی اور اس کتاب نے مغرب کی عورت کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ 'وارث میر' مادام بوائر کے جذبات جو وہ عورت کے بارے میں رکھتی ہیں اس طرح بیان کرتے ہیں:

''عورت حقوق کی بات کیوں کرتی ہے؟ حقوق کیسے؟ اور کس سے؟ حقوق ہمیشہ کمزور ناتواں طاقتور سے اور محکوم حاکم سے بطور خیرات مانگتا ہے۔ بوائر کو اُن عورتوں پہ سخت غصہ آتا ہے اور ترس بھی آتا ہے جو حقوق کے لیے مردوں کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اُن کے پس خوردہ پہ پلتی ہیں۔ مرد کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں اور اُسے روزی رساں سمجھتی ہیں۔'' (۵)

انیسویں صدی کے اوائل میں ایک سیاہ فام امریکی عورت 'سوجورنر ٹرتھ' جو سیاہ وسفید کی سرد جنگ کے ماحول میں پلی تھی Sexism کی بہترین نقاد ثابت ہوئی جو کہ بعد میں Feminisim کی بنیاد بنی۔ اسی کے ساتھ دو بہنیں (انجلینا گرمکے) اور (سارہ مورگرمکے) نے بھی حقوق نسواں میں اہم کردار ادا کیا۔ 'دبورا ہ جی فیلڈر' ان دو ہمشیران کے بارے میں لکھتی ہیں:

''ایک ارسٹو کریٹک غلام دار گھرانے میں پیدا ہونے والی بیٹیاں ''گر کے ہمیشران'' کو ایسی اوّلین عورتیں ہونے کا اعزاز حاصل ہے جنھوں نے سر عام غلامی کے خلاف آواز بلند کی۔ غالباً وہ خواتین کی قانونی و سماجی آزادی کے لیے تحریری طور پر آواز بلند کرنے والی اوّلین امریکی خواتین ہیں۔(۶)

مختلف تہذیبوں میں اگر عورت کی حیثیت کی بات کریں تو حال کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آئے گا۔

'سومیری تہذیب میں عورت شروع میں دیوی بن کر نمودار ہوتی ہے۔ لیکن بعد میں ہم انکو داسی بنا دیتے ہیں۔ سومیری تہذیب کی مقدس دیوی 'عشتار' ہے جس کو' اننا' بھی کہا گیا ہے۔ یہ زرخیزی و شادابی اور بالیدگی کی دیوی ہے۔ جسکو ایک چرواہے 'دوموزی' سے عشق ہو جاتا ہے۔ سومیری اُس چرواہے کو بھی دیوتا کہتے تھے۔'' اننا'' کی عقیدت میں اس کے مندر میں بہت سی داسیاں اور طوائفیں رہتی تھیں۔ جو اپنے کنوارے پن کو قربان کر کے'' اننا '' سے عقیدت کا ثبوت دیتی تھیں۔ اس عمل کو عین مذہب کے خیال کیا جاتا تھا۔' ابن حنیف' اپنی کتاب میں اس عمل کو مقدس حرام کاری کا نام دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

'' یہ مذہبی عصمت فروشی یا مقدس حرام کاری مندروں میں ہوتی تھی۔ مقدس حرام کاری کا لفظ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ مندروں میں پجارنوں کے بعض مخصوص طبقے کی خواتین'' اننا'' اور عشتار دیوی سے سچی عقیدت اور ایثار وخلوص اور قربانی کے جذبات میں ڈوب کر اور انکی خدمت کے نام پر اپنے کنوارے پن کی قربانی دیتی تھیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا تھا''۔(۷)

' مصری تہذیب' میں عورت کی حالت سومیری تہذیب سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی بل کہ عورت اپنے مقام سے گر چکی تھی۔ مصری لوگوں نے عورت کو بازاری جنس بنا دیا اور فحاشی و بدکاری میں سومیریوں سے آگے نکل گئے۔ مردوں کی بری سوچ اور غلط حکمت عملی نے مصر کو تباہ کر دیا اور الزام عورت پر آیا۔

"مؤرخ اور سیاح 'ہیروڈوٹس' کے مطابق قدیم مصریوں میں اس بات کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا کہ مقدس مقامات پر عورتوں سے بات بھی کی جائے۔ اگر کوئی مرد غلطی سے کسی عورت سے بات کر لیتا تو اُس وقت تک مندر میں داخل نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ وہ غسل نہ کر لیتا۔ یہ عورت کے نجس و ناپاک ہونے کے پرانے عقیدے کی وجہ سے تھا"(۸)

'قدیم یونانی تہذیب' میں لوگ مندرجہ بالا تہذیبوں کی طرح عورت کو کم درجہ کی مخلوق خیال کرتے تھے۔ یہ یونانی ہی تھے جنھوں نے عورت کیلئے ہمیشہ کے لیے 'پنڈورا' کی اصطلاح استعمال کی جو کہ برائیوں کے مجموعے کا نام تھا۔ اسی عقیدے کی وجہ سے عورت کوں ابتدائی طور پر بُرا بنا دیا گیا۔ 'عنایت عارف' لکھتے ہیں کہ:

''انھوں نے پنڈورا سے یہ حکایت وابستہ کر رکھی تھی کہ جب انسان دنیا میں آیا تو دیوتاؤں نے اُسے ایک مقفل صندوق دیا اور تاکید کی کہ اس کو کھولنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے مگر مرد کی تجسس پسند طبیعت کو چین نہ آیا۔ اُس نے صندوق کھول کر دیکھا تو اُس میں

سے ایک خوب صورت عورت پنڈورا نکلی جو کہ بعد میں تمام انسانی آفات وآلام کا باعث بنی۔درحقیقت اس خود ساختہ عقیدے میں عورت کی ابدی ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کی داستان پوشیدہ ہے۔'' (۹)

اسی طرح عیسائی لٹریچر میں بھی عورت سے نفرت کی بہتات ہے۔ عیسائی عقیدے کے مطابق اماں حوا شیطان کے بہکاوے میں آئی اور آدم کو ان کی وجہ سے جنت بدر ہونا پڑا۔جس کی وجہ سے عیسائی لوگوں نے عورت کو شیطان کی چیلی کہا جب کہ مسلم عقیدے کے مطابق (بابا آدمؑ اوراماں حوا) دونوں ہی ترغیب کا شکار ہوئے۔عیسائی عقیدے میں صرف عورت کو ہی قصور وار ٹھہرانے کا مطلب صاف تھا کہ عورت کی تذلیل ہو کر رہے۔ یہی حال یہودی مذہب کا رہا۔ یہودی لوگوں کی بات کرتے ہوئے'ڈاکٹر نوال سعدوّی'لکھتی ہیں کہ :

'' یہودی گھرانوں میں پیسے جائیداد اور غلاموں کی طرح عورتیں بھی ورثے میں ملنے والی چیز کا حصہ تھیں یعنی عورتیں ، مرد غلام ، غلام عورتیں ، بیل ،گدھے اور دوسری اشیاء ورثے میں منتقل ہوتی تھیں۔خاوند عورتوں کا خدا یا آقا کہلاتا تھااور عورتیں اس کو آقا یا مالک کہہ کر پکارتیں تھیں۔بیٹے کی ولادت مسرت وانبساط کا موقعہ ہوتا تھااور بیٹی کی پیدائش پہ گویا صفِ ماتم بچھ جاتی تھی۔(۱۰)

وادی سندھ کی تہذیب جو کہ اپنے دور کی عروج یافتہ تہذیب تھی تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں ابتداء میں مدرسری نظام رائج تھا ۔ جب کہ عورت کے نام سے نسل چلتی تھی اور عورت اپنے قبیلے کی سردار تھی۔تب دراوڑ قوم آباد تھی۔ آریاؤں کے آنے سے عورت رواج ختم ہوا۔ مذہبی تعلیمات میں تبدیلی کی گئی اور برہمن لوگوں نے عورت سے ایسا بدلہ لیا کہ عورت کو نیچ ذات کہا اور مندروں پر قابض ہو گئے۔عورت راج کو سرے سے ختم کرنے کے لیے کم سنی کی شادی کو رواج دیا اورستی کی رسم کی ابتداء ڈالی اور ان تمام کاموں کو مذہب کی تعلیمات کا لبادہ پہنا دیا۔ستی کی رسم کی ابتدا کے بارے میں ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں کہ :

'' جہاں تک ستی کا تعلق ہے ۴۰۰ ق م تک اس کے بارے میں کوئی رواج نہ تھا۔اس کی پہلی مثال ۳۱۶ ق م میں ملتی ہے ۔ جب ایک فوجی جنرل کے مرنے پر اس کی دو بیویاں اُس کے ساتھ جل کر مرنا چاہتی تھیں۔اس کے بعد شاہی خاندانوں اور امراء میں اس کا رواج شروع ہو گیا۔''(۱۱)

مندرجہ بالا تمام مذاہب میں عورت کو بے وقعت کیا گیا۔کہیں بھی ہمیں ایسا نکتہ نہیں ملا جو عورت کو مقام دیتا نظر آیا ہو۔ پھر اللہ کی رحمت عورت کے لیے بھی جوش میں آئی اور روشن دین' دین اسلام' نے عورت کو اس کا اصلی مقام دیا جسکی وہ حقدار ہے۔عورت کے لیے' سورۃ النساء' نازل کی گئی ۔ ماں کے قدموں میں جنت رکھ دی گئی ۔ بیٹی کو رحمت کہا گیا۔ چار بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو جنت کی بشارت دی گئی ۔ دنیا کا کوئی بھی ایسا مذہب نہیں جو عورت کو اتنا تحفظ دیتا ہو۔

سرائیکی شاعری تو بہت قدیم دور کی بات ہو جاتی ہے لیکن سرائیکی نثر بعد میں آئی۔خصوصاً سرائیکی ناول قیام پاکستان کے ۲۲ سال بعد سامنے آیا۔اس سلسلے میں سرائیکی ناول پہلے اور دوسرے ناول کی شش و پنج سے بھی گزرا۔'غلام حسن حیدرانی' کے ناول' گلو' کو پہلا ناول کہا گیا۔کیوں کہ یہ ۱۹۶۹ء میں ماہنامہ اختر میں قسط وار آتا رہا۔'ظفر لاشاری' کے ناول'نازو' کو پہلا ناول کہا گیا کیوں کہ یہ ۱۹۷۱ء میں باقاعدہ ناول کی شکل میں سب سے پہلے سامنے آیا۔

چاہے'گلو' ہو یا' نازو' سرائیکی ناول کی ابتداء ہو چکی اور ناول میں عورت کے کردار کا جائزہ لینے سے پہلے اگر ناول کے ناموں (گلو، نازو) کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جب سرائیکی ناول کی ابتداء ہی عورت کے نام سے ہو رہی ہے تو عورت ہی ناول کا اہم کردار ہوگی اور اسی ابتدائی ناموں کا شائد اثر تھا کہ آنے والے کئی ناول عورت کے نام آئے۔جیسے کہ گلو، نازو، مہرو، بسنتی، کونج۔اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ سرائیکی ناول نگاری میں عورت کو اہمیت دی گئی یا ناول کا دائرہ کار عورت کے گرد گھوما۔

ظفر لاشاری کا ناول'نازو'چوں کہ قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد ہی سامنے آ گیا اسی لیے ناول نگار نے اپنے پہلے ناول میں تقسیم ہندوستان کے موضوع سے شروعات کی۔ ہندولڑکی' نازو' کی پرورش مسلمان کے گھر میں ہونا ناول کا ایک خوبصورت موضوع تھا اور پھر اسی لڑکی کے گرد سارا ناول گھومتا نظر آتا ہے۔نازو ایک انتہائی خوبصورت دوشیزہ ہے۔عورت کا یہ کردار ایک خود مختار کردار نہیں ہے۔جس طرح عام طور پر سوچا جاتا ہے کہ عورت سہارے تلاش کرتی ہے، ناول کی یہ عورت بھی مرد کے سہارے آگے بڑھ رہی ہے۔'نازو' اپنی شناخت کے لیے پریشان نظر آتی ہے۔ پہلے وہ پریشان ہے کہ وہ کس کی بیٹی ہے پھر مسلمان اور ہندو ہونے کی کش مکش میں گھری ہے۔یعنی وہی شروع والا قصہ کہ عورت خود سے کچھ نہیں ، اُسکی پہچان اپنے باپ سے یا اپنے خاوند کے ذریعے سے ہو رہی ہے۔جسے بوائر کے الفاظ شروع میں بتائے گئے کہ عورت مرد کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔آج ہمارے وسیب کا لکھاری بھی اسی موضوع پہ بات کر رہا ہے۔

'پہاج' ظفر لاشاری کا دوسرا ناول ہے۔ظفر لاشاری نے پہلے ناول کی طرح اس ناول میں بھی عورت کے کردار کو اہمیت دی گئی بل کہ نازو سے زیادہ پہاج میں عورت کا کردار مضبوط ہے۔ پہاج میں دوسری شادی اور دوسری بیوی کے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ظفر لاشاری کا یہ کام قابل تحسین ہے کہ انھوں نے بیک وقت مثبت اور منفی دونوں کردار میں عورت کو پیش کیا اور اتنا زبردست پیش کیا کہ دونوں کردار مضبوط کردار بن کر سامنے آئے۔ زرینہ ناول کا منفی کردار ہے جو کہ بری عورت ہے لیکن لکھاری نے اس کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے کہ پرکشش کردار بن کر سامنے آیا۔ رحیماں ناول کا مثبت کردار ہے جو کہ ایک عظیم عورت کا کردار ہے۔ ایک ایسی عورت جو سرائیکی وسیب کی محنت کش عورت کی نمائندگی کرتی ہے۔

ناول پہاج میں رحیماں کا کردار چوں کہ مرکزی کردار ہے اسی کردار کے حوالے سے'ڈاکٹر اسلم عزیز درانی' لکھتے ہیں:

''پہاج ہِک کرداری ناول اے۔ سارا ناول رحیماں دے کردار دے چودھار گھمدے۔ رحیماں صبر شکر دا پیکر اے۔ حالات نال سمجھوتہ کر کے حیاتی دے ڈینہہ گزارن دی کوشش کریندی اے۔ رحیماں کتھائیں کتھائیں ہِک ماورائی تربیت ڈسدی اے۔ ایندے باوجود ایندے وچ کشش تے دلکشی اے۔اوسرائیکی وسیب دی تربیت دی علامت اے۔'' (۱۲)

ڈاکٹر صاحب کی بات سے یقیناً اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ رحیماں کے کردار نے سرائیکی وسیب کی عورت کی نمائندگی کی ہے۔ وسیب کی عورت جس طرح آج زندگی گزار رہی ہے وہ رحیماں کے کردار میں موجود ہے۔

''تانیثیت'' کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ناول ایک شاہ کار ناول کے طور پر سامنے آتا ہے ۔ رحیماں اپنے حق کے لیے زندگی کا مشکل سفر کرتی نظر آتی ہے ۔جس طرح ہمارے معاشرے میں عورت پر ظلم ہوتے ہیں ، خاص طور پر روہی اور دیہات کی ان پڑھ عورت جس کو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ظلم کا نشانہ بنتی ہے اسی طرح رحیماں کو لکھاری نے ایک مظلوم اور بہادر عورت کے طور پر پیش کیا ہے۔

''میں تیڈا ابتھاڑ بھن ڈیساں ....، اپنی گالھ مکاوّن کنوں پہلے نذر اوندے مونہہ تے چاٹ ماری۔اوہ نازک نفیس مونہہ جیں اج تیئں انگل دا بُجہ نہ کھادا ہا۔ اتنی کاری چاٹ لگن نال ڈوجھے پاسے پھریا گیا۔اجن اوہ مونہہ سدھا پئی کریندی ہئی جو ہِک بیا کڑاکے دار دھپ اوندی ڈوجھی گلھ تے۔ اوہ چیک مار تے پلنگ تے ڈھہہ پئی پر نذر دی ہوس اجن نہ موئی ہئی۔اوں ہِک ہتھ رحیماں دے مونہہ تے ڈوجھا ہتھ اوندی گُت وچ گھت تے اتنے زور دی چھبکی ماری جو اوہ چُو تے اوندے پیراں وچ ونج پئی تے ول اوں رحیماں تے لتاں دی مکیں دا مینہ وساڈتا''۔(۱۳)

پہاج میں چاہے موجودہ دور کی بات کی گئی ہے لیکن حالات تو قدیم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ وسیب کے لکھاری نے عورت کو جن حالات سے گزرتے دیکھا ویسے ہی بیان کیا۔ ناول چوں کہ حقیقی زندگی کا عکس ہوتا ہے ، اسی لیے رحیماں کے کردار میں بھی موجودہ عورت کے مسائل کو اُجاگر کیا گیا یعنی وسیب کی عورت آج بھی عہد قدیم کی طرح مظلوم بن کے زندگی گزار رہی ہے۔

''رحیماں تے اوہ کیا خوفناک ویلا ہا، پیراں چھالے،اکھیں ہنجھوں ، انگ انگ دردی ، دل وچ سول دیاں تراٹاں ، ذہن وچ نذر دی بے وفائیاں دا چھکار، بُت دانگو دانگ، سر مونہہ تے سوجاں، کھُرڑ تے بھورل ، پیٹ وچ ست مہینیاں دا بال ، بیاں نہ کوئی سنگتی نہ ساتھی ، نذر دے ظلم یاد کر کر کے اوہ کلھی روندی گئی ، رڑدی ہئی''۔(۱۴)

اپنے حقوق سے بے خبر ہر عورت رحیماں ہی ہے جو کہ زندگی کی مشکلات برداشت کرنے پر مجبور ہے۔مجموعی طور پر دیکھا جائے تو زرینہ کا کردار ناول کا مضبوط کردار دکھائی دیتا ہے۔زرینہ پورے ناول میں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے متحرک رہتی ہے۔ اُس کا صرف ایک مقصد ہے، ملک نذر کو حاصل کرنا اور اس مقصد کے لیے

وہ مسلسل جدو جہد کرتی ہے۔زرینہ کے راستے میں کئی رکاوٹیں تھیں ۔اپنے دیور کو اپنا شوہر بنانا ایک ناممکن کام تھا، حالات زرینہ کے مخالف سمت چل رہے تھے لیکن زرینہ نے حالات کو موافق بنایا۔جب کہ رحیماں کے حالات اُس کے موافق ہونے کے باوجود مخالف ہو گئے۔رحیماں ظلم و جبر سہنے والا ایک مستقل مزاج کردار دکھائی دیتا ہے ۔جس نے اپنے شوہر کو جس پہ وہ مکمل حق رکھتی تھی کسی اور کا ہونے دیااور حالات جس طرف لے کے جاتے رہے چلتی رہی۔ یہاں ایک اور بات بہت حیران کن نظر آتی ہے زرینہ اپنی مکاری سے اپنے جیٹھ کو اپنا شوہر بناتی ہے۔ایک بے قصور عورت کو گھر سے نکلواتی ہے لیکن زرینہ سے معاشرہ انتقام نہیں لے سکا۔ جب کہ زرینہ سے قدرت نے انتقام لیا اور اس کے ہاتھ سے اپنا ہی بیٹا قتل ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں کردار اپنی نوعیت کے اہم کردار ہیں اور ناول نگار نے 'پہاج' کے ذریعے سے عورت کے جذبات واحساسات اور مختلف رویوں کو بہت بہتر طریقے سے بیان کیا ہے۔

قاصر فریدی کا ناول''سانول'' جولائی ۱۹۸۹ء میں سامنے آیا۔ چوں کہ یہ ابتدائی ناول تھے اور قیام پاکستان کے اثرات اس میں نظر آئے ۔ ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والوں کے ساتھ وسیب کے لوگوں نے ایثار و خلوص کا برتاؤ کیا۔اس ناول میں ہیروئن کا کردار'سہاگن' کا ہے۔سہاگن صرف نام کی ہیروئن ہے ۔جس میں خوبصورت ہونے کے علاوہ اور کوئی خوبی نہیں ہے۔دوسرا کردار'نرگس' کا ہےجسکو سائیڈ ہیروئن کہہ سکتے ہیں۔سہاگن کی بانسبت نرگس کے کردار میں زیادہ کشش ہے۔نرگس کا کردار بھی روایتی طور پہ مرد کی جبریت کے تابع ہے۔نرگس کا باپ چاہتا ہے کہ وہ بھورل کے ساتھ معاشقہ چلائے اس کے لیے چاہے اُسے کسی بھی حد تک جانا پڑے۔تاکہ بھورل کی جائیداد حاصل کی جا سکے۔یہاں ہم''تانیثیت'' کے موضوع پہ بات کرتے ہوئے عورت کے حقوق کی بات کرتے ہیں کہ اَن پڑھ عورت کو اپنے حقوق کا پتا نہیں۔لیکن وسیب کا یہ لکھاری تو عورت کو پڑھا لکھا بھی بتا رہا ہے پھر بھی اس کے حقوق سلب ہو رہے ہیں:

> ''نرگس ہک پڑھی لکھی تے سمجھدار لڑکی ہائی۔ ہک تاں اوہ اپنے پیو دی منشاء دے مطابق تے ڈوجھا اوں سانول کنوں آپنی بےعزتی دا بدلہ گھنن واسطے اے زہر دا گھٹ بھریا تے بھورل کوں قبول کیتا۔'' (۱۵)

یہاں پر بھی نرگس بے بس نظر آتی ہے کیوں کہ وہ اپنی عزت محفوظ رکھنا چاہتی ہے لیکن نہیں رکھ پاتی۔ بھورل سے جنسی معاشقہ کے بعد وہ بھورل کے بچے کی ماں بنتی ہے اور بھورل کے نہ اپنانے پر خود کشی کر لیتی ہے۔وسیب کی یہ عورت المیاتی طور پر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے لیکن یہاں کسی کو کوئی فرق نہیں پڑا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ناول میں نرگس کی موت کو ایک المیاتی موت نہیں دکھایا گیا۔ بل کہ خاموشی اختیار کی گئی ہے۔

یہ غالبًا سرائیکی کا پہلا ناول ہے جس میں کسی عورت کے ساتھ جنسی طور پر فائدہ اُٹھانے کے موضوع پہ بات کی گئی ہے۔عورتیں زیادہ تر مرد کی خدمت کرتی نظر آتی ہیں اور اُن پر مردانہ تسلط زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

دلشاد کانچوی کا ناول'' سارے سگن سہاگڑے'' تانیثیت کے موضوع کے حوالے سے اہم ناول ہے ۔سارے

کا سارا ناول ایک لڑکی فوزیہ کے گرد گھومتا ہے جو گاؤں سے شہر جاتی ہے، تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس اپنے گاؤں ' کلانچ والے ' میں تعلیم کا سلسلہ جاری کرتی ہے ۔ خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم کو فروغ دیتی ہے اور اپنے چچازاد سے شادی کرتی ہے جو کہ ان پڑھ ہوتا ہے۔ لیکن فوزیہ کی شخصیت کا اثر اس کے شوہر پر ہو جاتا ہے اور وہ بھی نہ صرف پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتا ہے بل کہ اپنی بیوی کی مدد سے بلدیاتی الیکشن جیت کر معاشرے کا بہترین شہری ثابت ہوتا ہے۔ فوزیہ سرائیکی وسیب میں Feminism کی تحریک چلاتی ہوئی پہلی عورت نظر آتی ہے ۔

جمشید کلانچوی کا ناول '' جھوکاں تھیسن آباد ول '' کا نام خواجہ فرید کے شعری مصرعے سے لیا گیا ۔ اپنے والد محترم دلشاد کلانچوی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے جمشید کلانچوی نے بھی عورت کے کردار کو ایک مضبوط عورت کے کردار میں ڈھال دیا۔ مہرو ناول کی ہیروئن ہے اور ناول اسی کردار کے گرد گھومتا ہے۔ روہی کی ایک ایسی عورت جو مشکلات میں زندگی گزارنے کے باوجود ہمت نہیں ہارتی ۔ جمشید کلانچوی نے مہرو کی شکل میں روہی کی عورت کو سلام پیش کیا ہے جو ہر حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مہرو کا کردار روہی کی محنت کش عورت کی نمائندگی کرتا ہے۔ جو بات ناول میں پنہاں ہے وہ مہرو کی خاموشی ہے ۔ وہ جدو جہد کیے جا رہی ہے رزق حلال کما رہی ہے مگر خاموش ہے:

> '' مہرو ملاں بانگ ویلے پتر کوں اُٹھ اُتے سکول گھن ویندی ہئی۔ آپدے نال چھبیاں ، پڑچھے ، ٹوکریاں وی لڈ ویندی ہئی، جھاں کوں وستی والے بہوں شوق نال گھن گھندے ہن۔ سکول دے ہیڈ ماسٹر دی ذال کڈھائی سلائی دے کم دا کاروبار کریندی ہئی۔ مہرو اُوندے گھر سلائی کڑھائی دا کم وی کریندی ہئی ۔'' (۱۶)

بعض اوقات مہرو کے کردار میں رحیماں چھپی نظر آتی ہے ۔ جیسے رحیماں نے ساری زندگی مشکلات میں گزاری اور بعد میں شوہر کو معاف کر دیا۔ مہرو نے بھی اپنے بیٹے کو بہت مشکل حالات میں تعلیم دلوا کے جوان کر کے پھر اُسکے باپ کو دے دیا۔ یہاں یہ احساس بھی ہوا کہ عورت اپنے عورت ہونے پہ مطمئن نہیں بل کہ وہ مرد بننا چاہتی ہے ۔ یا پھر اگر وہ مشقت کر رہی ہے، محنت کی زندگی گزار رہی ہے ، رزق حلال کما رہی ہے، تو معاشرہ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ مرد کی طرح زندگی گزاری رہی ہے ۔ تو ایسا کیوں ؟ کیا یہ سب اس معاشرے میں پلنے والے اقدار کی وجہ سے ہے؟ یا پھر زمانہ قدیم سے ہی ہوتا آ رہا ہے کہ تاریخ میں تمام بہادری اور تعمیری کاموں کو مرد سے منسوب کر دیا گیا اور تاریخ کے صفحات عورت کی قربانیوں کو بتانے سے قاصر رہے۔ ایسے ہی معاشرہ آگے بڑھا تو ہر انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہر کسی نے ایک ہی جنس یعنی (مرد) کو بہتر سمجھ کر اُسی کی طرح بننا چاہا۔ جیسا کہ کہانی کی ہیروئن مہرو نے کردار سے ظاہر کیا:

> '' اماں میکوں ہک گالھ دا جواب ڈے ....میں صرف تیڈی دھی ہاں یا پتر وی ہاں؟ مہرو کی گالھ اُتے عظیمہ مُسک پئی۔ گالھی دھیاں دھیاں ہوندن..............پتراں دی جاہ نی گھن سکدیاں۔ مہرو کھٹ توں اٹھی کھڑی تھئی ۔ اماں اگر میں تیکوں آکھاں کہ مانواں مانواں ہوندن ،

پیو دی جاء نی گھن سگدیاں تاں جتنا ارمان تیکوں لگسی اُتنا ارمان میکوں لوا ڈتی ہُن'' ۔ (۱۷)

راہی گبول کے تمام ناول جن میں 'بھاگ سُہاگ ، کونج ، سجن دشمن ، پردیس نہ ونج ، دلدار صدقے'' شامل ہیں، قاری کو بہت اچھی تفریح مہیا کرتے ہیں۔ ان کے نسوانی کردار خوبصورت اور رومانوی ہیں۔تانیثیت کے حوالے سے ان کے ناول کونج میں نورین کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں نہ صرف تعلیم نسواں کی اہمیت کو موضوع بنایا گیا ہے بل کہ تعلیم یافتہ عورت کی اہمیت پہ بھی بات کی گئی ہے۔ پہلی بار خاتون شاعرہ کو ناول کا موضوع بنایا گیا ہے جو اپنا تخلص 'کونج' رکھتی ہے۔

راہی گبول نے جتنی اہمیت بھاگ سُہاگ میں مرد کو دی ہے اتنی ہی اہمیت کونج میں عورت کو دی ہے ۔ ان کے باقی ناولوں میں مرد کے کرداروں کی اجارہ داری ہے۔راہی گبول کے ناولوں کے نسوانی کردار امیر کبیر عورتوں کے کردار ہیں جو کہ پڑھی لکھی ہونے کے ساتھ ساتھ زمین دار گھرانے سے تعلق بھی رکھتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں عورت عاشق اور مرد محبوب کے طور پہ سامنے آتا ہے:

> ''ادارے وچ اوں (نورین) ہک لائبریری قائم کیتی ہائی۔جیں اِچ ادب مذہب تے وسیب اُتے لکھیاں کتاباں ہَن ۔ اوہ مذہبی کتاباں شوق نال پڑھدی ہئی۔اُوندے مطالعے دا دائرہ کار مذہب اسلام تے عورت دا مقام ہا۔کہ مذہب اوں کوں کیا مقام ڈیندے تے وسیب اوں تے کتنا ظلم کریندے۔'' (۱۸)

اقبال حسن بھٹپلا کے 'مانک لعل' میں مکھو کا کردار اہم ہے ۔ یہ اغوا شدہ لڑکی کی کہانی ہے جو ایک طوائف کے ہاتھ آجاتی ہے اور اپنی عزت بچانے کے لیے بھاگ نکلتی ہے اور زندگی اسکو مانک لعل دیتی ہے۔

سید حفیظ گیلانی کے ناول 'نت کرُ لاوّے کونج 'میں دیہات کی عام تربیت کوں حقیقی زندگی کا لبادہ پہنا کے پیش کیا گیا ہے۔ سارا ناول عورت کے دکھ اور تکلیف کو بیان کرتا ہے۔ ناول میں دو عورتوں 'زیبو' اور' جنتو' کے کردار ہیروئن کے طور پر سامنے آئے۔ زیبو کا کردار مختصر دورانیے کا کردار ہے جب کہ جنتو ناول کا اہم کردار بن کر اُبھرتی ہے۔ ناول کے اس نسوانی کردار نے عورت کے دکھوں کو زبان دی ہے۔ خاص طور پر روہی ،تھل اور دامان کی عورت زندگی کی بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہی ہے۔لکھاری نے جنتو کا کردار پیش کر کے دراصل وسیب کی عورت کے غموں کی داستان پیش کی ہے۔ جنتو ایسی عورت کا کردار ہے جو کئی ناموں اور روپ سے سامنے آتی ہے ۔جنتو ،جنتی ، جنی ، جنی بے سیتی اور ملکانی جنت بی بی تک کا سفر کرتی یہ عورت زندگی کے کتنے دکھ برداشت کرتی ہے۔'غلام عباس سیال سڈنی' لکھتے ہیں کہ:

> ''جنتو سے جنی بے سیتی اور پھر ملکانی جنت بی بی تک کا سفر کرتی یہ کتاب دراصل دامان کی معصوم ، بے بس عورت کی مجبوریوں کی کتھا ہے۔ دامان کی عورت لاچار اور اندر سے دکھی ہے۔ جہاں آزادی رائے کی ممانعت ہو ، جہاں انسان کے حق پر پابندی ہو، جہاں جائز بات کہنا بھی بغاوّت ہو ، جہاں غربت وافلاس کا ننگا ناچ ہو، وہاں لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں اور جذبے مر

جایا کرتے ہیں۔جب اندر کے جذبے مر جائیں تو پھر عورت بھر بھری ریت کی طرح اندر ہی اندر بکھرنے لگتی ہے۔اس کے اندر بولتی چپ اسے چپکے چپکے مارتی چلی جاتی ہے ۔اس کے گالوں کے گلاب مرجھا جاتے ہیں اور وہ وقت سے پہلے بوڑھی ہوکر خاموشی کے ہاتھوں دن بدن موت تلے دفن ہوتی چلی جاتی ہے''۔(۱۹)

'جنتی' جھوک نورے والی نام کی بستی میں رہنے والی ایک دیہاتی عورت ہے جو پہلی شادی کے فوراً بعد بیوہ ہو جاتی ہے اور دوسری شادی کرتی ہے تو وہ شوہر بھی زندہ نہیں رہتا۔ پھر بستی کے منافق لوگ جنتی سے جنسی فائدہ اُٹھاتے ہیں اور آخر میں اُسے بدکار ثابت کر دیتے ہیں اور وہی لوگ جو جنتی کو جنسی طور پر استعمال کرتے ہیں ۔عدل وانصاف اور مذہب کے ٹھیکے دار بن جاتے ہیں اور جنتی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہاں مردوں کی دوغلی اور منافق سوچ دکھائی گئی ہے۔ یہاں جنتی کو سزا دیتے وقت اس سے یہ بھی نہیں پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ کس نے غلط کیا کہ سنگسار کی سزا دونوں کو دی جائے۔جنتی کا کردار پیش کر کے لکھاری نے عورت کے اُن دکھوں سے پردہ ہٹایا ہے جنکو وہ خود بیان نہیں کرسکتی۔اور اندر ہی اندر مرتی رہتی ہے۔کونج کی طرح کُرلاتی رہتی ہے۔

ایک اور بات جو ناول پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس ہوتی ہے وہ یہ کہ لکھاری نے جنتی کو زیادہ تر خاموش رکھا ہے۔جنتی کے دکھ بولتے رہے اور جنتی خاموش رہی۔ چپ کے اندر لپٹا یہ کردار عورت کے دکھوں کی داستان ضرور بیان کر گیا ہے۔

حبیب موھانہ 'اللہ لھیسی مونجھاں' میں شمی کا کردار اہم ہے جو ناول کی ہیروئن ہے۔ پورا ناول دیہاتی زندگی کا عکس ہے ۔ ناول بتاتا ہے کہ عورت کی وسیب میں کوئی وقعت نہیں اور محنت و خدمت کرنا ہی اس کی زندگی ہے۔ بھوک و پیاس اور غربت کے دکھ کے ساتھ ساتھ عورت کو غیر منصفانہ رویے اور ظلم و زیادتی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

زندگی کی حقیقتوں کو بیان کرتی یہ کتھا ہر انسان کی کہانی لگتی ہے ۔شاید ہر انسان کی زندگی میں 'شمی' ضرور آئی ہو جسے وقت کی دھول نے دھندلا دیا ہو اور پھر یاد بھی نہ رہی ہو۔ ناول کے نسوانی کردار دیہات کی عورت کی اصلی تصویر دکھاتے ہیں۔ ہر وقت محنت و مشقت میں مصروف دامانی عورتیں تاریخ کو دہراتی نظر آتی ہیں:

''تریمتیں آپنے گھڑیاں وچ زندگی لبھیند یاں پیاں ہن۔انساناں دی نیل نگری دی لگ بھگ ہر چنڈ وچ پانی بھرن دا کم وِنڈ وچ تریمتیں کوں ملا۔جیکر ہِک ڈولی پانی دے بدلے ہِک نیکی وی ملے تاں پتہ نئیں تریمتیں آپنی حیاتی وچ کتنیاں نیکیاں کمیند یاں ہوسن؟ اے تریمتیں جنہاں دے تالو گھڑے گھڑیاں چا چا کے گِس گئے ہن ۔ جیرھیاں اساکوں ونکو ونک دے پانی پلیند یاں آیاں ہن ۔ پتہ نی انہاں اپنی زندگی وچ کتنیاں نیکیاں کما چھوڑیاں ہوسن۔جیکر پانی زندگی ہے تے پانی پلاوَن نیکی ہے تاں ایہہ تریمتیں ہِن پچھے بہشت وچ ویسن، ایہہ قیامت آلے ڈینہہ تسیاں نہ راہسن ، یا اے وی تھی سگدے جو قیامت آلے ڈینہہ پانی پلاوَن دی ذمہ دار خدا تریمتیں کوں ڈے ڈیوے''۔(۲۰)

Conclusion

سرائیکی ناول نگاری کا باقاعدہ آغاز ۱۹۷۱ میں ہوا۔ سرائیکی ناول 'نازو' کا کردار جو اپنی پہچان کی تلاش میں ہے گویا سرائیکی ناول کا آغاز ہی عورت کے ان سوالات سے ہوتا ہے کہ وہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ کون ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ کون سے مذہب سے تعلق رکھتی ہے؟

یہ تمام سوال کرتی نازو اُن عورتوں کی طرح دکھائی دیتی ہے جنھوں نے Feminism کی ابتداء کی اور اپنی شناخت کے لیے ووٹ کا حق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی۔ لیکن نازو نے کوئی جدوجہد نہیں کی وہ صرف پریشان دکھائی دی۔ کبھی اختر کو حاصل کرنے کے لیے کبھی اپنا آپ جاننے کے لیے۔

پھر 'پہاج' میں رحیماں اور زرینہ کے طور پر عورتوں کو پیش کیا گیا۔ جس میں منفی و مثبت دونوں کردار کو نبھاتی یہ عورتیں تمام ناول پر چھائی ہوئی ہیں۔ زرینہ کا کردار منفی ہونے کے باوجود بہت کشش رکھتا ہے اور ایک ایسا کردار ہے جو غلط ہونے کے باجود اپنا مقصد پالیتا ہے۔ بل کہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا زرینہ اپنی ذہانت سے ناممکن کو بھی ممکن بنالیتی ہے۔ اپنے دیور سے شادی کرتی ہے اور کوئی رکاوٹ اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جب کہ رحیماں اخلاقی کمزوری کا شکار نظر آتی ہے۔ حالات جہاں لے گئے چلتی رہی۔ زرینہ ایک متحرک کردار ہے جب کہ اس کے مقابلے رحیماں ایک Smooth اور ظلم و جبر سہنے والا کردار ہے۔

'قاصر فریدی' نے 'سہاگن' کا کردار پیش کیا جو کہ عام دیہاتی عورتوں جیسا کردار تو نہیں البتہ مرد کی خدمت کرنے والا کردار ضرور ہے۔ سہاگن کی منزل سانول کو تمام مشکلات اور مہمات سر کرنے کے بعد صرف اس کو پانا ہی ہے۔

'دلشاد کلانچوی' نے فوزیہ کے ذریعے تعلیم نسواں کی طرف توجہ دلائی اور پڑھی لکھی عورت کی اہمیت کا احساس دلایا۔ 'جمشید کلانچوی' نے 'مہرو' کی صورت میں ایک محنت کش روہی کی عورت کو بیان کیا کہ روہی میں عورت کیسی محنت و مشقت کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے۔ وہ اکیلے زندگی کے دکھ برداشت کرنے والا کردار ہے اور رزق حلال کمانے پر یقین رکھتی ہے۔ یہ کردار ظاہر کرتا ہے کہ وسیب کی عورت معاشی لحاظ سے بھی ملک وقوم کے لیے کس طرح جدو جہد کر رہی ہے؟

'اقبال حسن بھپلا' کے ناول کی عورتیں فقیرنیاں اور عام عورتیں ہیں۔ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں یہ لوگ بھی موجود ہیں۔ اپنے ناول میں انھیں جگہ دے کر بھپلا صاحب نے قابل تحسین کام کیا ہے۔ ہم صرف دیہات اور شہر کی عورت کو موضوع بنانے پہ اکتفا نہیں کر سکتے۔ باقی طبقے میں بھی زندگی بستی ہے جو بھپلا نے اپنے ناول میں بیان کی ہے۔

سرائیکی ناول نگاری کا یہ سفر ہمیں عورتوں کے مختلف روپ اور کردار دکھاتا ہے۔ راہی گبول کے پانچ ناول زیر غور آئے (بھاگ سہاگ، کونج، سجن دشمن، پردیس نہ ونج، دلدار صدقے)اور ان ناولوں میں نسوانی کرداروں میں شہزادی گلناز، شمع، ناہید، نورین، شکیلہ، مہناز، ملکاں اور مدیحہ کے نام آتے ہیں۔ تمام نسوانی کردار محبت کرنے والے

ہیں جن کا کام ہیرو کو چاہتے رہنااور ہیرو کو پا لینے کی خواہش دل میں پالتے رہنا ہے۔ناول کونج میں نورین کا کردار تعلیم نسواں کے حوالے سے ہے اور باقی ناولوں سے مختلف ہے۔

سید حفیظ گیلانی کے ناول 'نت گُرلاوے کونج ' میں عورت کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے ۔جو دامانی عورت کے دکھ کی کہانی بیان کرتا ہے۔' جنتی' کو ناول نگار نے جنتو، جنی ، جنی بے سیتی ،ملکانی ،جنت بی بی جیسے نام دیے۔ یہاں ایک عورت کوکئی مراحل سے گزرنا پڑا۔زندگی میں اُس کو انسان نما بھیڑئے ملے جنھوں نے جنتی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔شائد یہ سرائیکی کا پہلا ناول ہے جس میں عورت کے ساتھ ہونے والے ڈھکے چھپے مظالم سے پردہ اُٹھایا ہے۔حبیب موہانہ کے ناول 'اللہ لہیسی مونجھاں' میں 'شمی' کا کردار ہیروئن کا کردار ہے۔شمی کی زندگی جنتو سے میل کھاتی ہے۔فرق یہ ہے کہ جنتو مردوں کی ہوس کا شکار ہوئی اور شمی مردوں کی ناانصافی کا شکار ہوئی۔

تمام ناولوں میں ایک بات جو مشترک نظر آئی وہ یہ کہ عورت اپنے فیصلے خود نہیں کر رہی ۔ وہ پابند ہے معاشرے کی اور مرد کی ۔ چاہے وہ مرد اس کا باپ ہے، بھائی ہے،شوہر ہے یا بیٹا ہے۔ وہ خود سے کچھ نہیں ۔مرد کے حوالے سے پہچانی جا رہی ہے ۔ایک اور بات جو مشترک لگی وہ مرد کے لیے عورت کی جذباتی شدت ۔ وہ ہر جگہ پہ مرد کو حاصل کرنے کی تمنا رکھتی ہے ۔چاہے عورت کا کوئی بھی کردار دکھایا گیا ہو عورت مرد کو چاہنے میں مصروف ہے،اسے پا لینے کی خواہش دل میں پال رہی ہے۔

حوالہ جات:

(۱) سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد اوّل، الجدہ پرنٹرز لاہور، ص ۵۸۹

(۲) جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت ولیم (۱) ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳، ص ۳۸۷

(۳) کشور ناہید، عورت زبان خلق سے زبان حال تک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۱۳

(۴) وارث میر، پروفیسر، کیا عورت آدھی ہے، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۸۹

(۵) دبوراہ جی فیلڈر (ترجمہ یاسر نواز) ۱۰۰ عظیم عورتیں، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۰۸، ص ۸۷

(۶) ابن حنیف، دنیا کا قدیم ترین ادب، جلد دوم، بیکن پبلی کیشنز ملتان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۶

(۷) عنایت عارف، عورت تاریخ عالم کی روشنی میں، الفیصل ناشران و تاجران لاہور، جولائی ۲۰۱۴ء، ص ۴۷

(۸) ایضاً، ص ۵۱

(۹) کشور ناہید، عورت زبان خلق سے زبان حال تک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۱

(۱۰) مبارک علی، ڈاکٹر، قدیم ہندوستان، ایکشن ایڈ انٹرنیشنل پاکستان، ۲۰۰۷، ص ۶۹

(۱۱) اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، سرائیکی ناول نگاری، سرائیکی ادبی بورڈ (رجسٹرڈ) ملتان، اپریل ۲۰۰۸، ص ۹۶

(۱۲) ظفر لاشاری، پہاج، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، دسمبر ۱۹۸۳، ص ۲۱

(۱۳) ایضاً، ص ۱۴۳

(۱۴) فیاض حسین، فریدی، قاصر، سانول، **سانول سرائیکی ادبی اکیڈمی**، دیرہ شمس رحیم یار خاں، جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۱۷

(۱۵) سجاد حیدر پرویز، ڈاکٹر، **مختصر تاریخ زبان و ادب** - سرائیکی، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۱

(۱۶) جمشید کلانچوی، **جھوکاں تھیسن آباد ول**، اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور، یکم جنوری ۲۰۰۰ء، ص ۱۸۰

(۱۷) ایضاً، ص ۳۳

(۱۸) راہی گبول، **کونج**، احقر پبلشرز ملتان، ص ۱۳۴

(۱۹) حفیظ گیلانی، سید، **نت کُرلاوّے کونج**، جھوک پرنٹرز، ملتان، اکتوبر ۲۰۱۲ء، ص ۷

(۲۰) حبیب موہانہ، **اللہ لھیسی مونجھاں**، اعوام دوست فاؤنڈیشن، اکتوبر ۲۰۱۰ء، ص ۸۸